دندان شکن

کاشف زبیر

تکلیف کسی بھی نوعیت کی ہو... جسم کی پھرتی اور چستی کو سستی میں بدل دیتی ہے... جلیل اور راجا کی جوڑی بھی اسی طرح کی ہے... ایک سست تو دوسرا چست... اس بار راجا نے کمال کرتے ہوئے اپنے دانتوں کی قربانی کا زبردست سودا کرلیا...

تبسم کی نیرنگی اور شرارتوں کی رنگینی میں ڈوبا ہنستا مسکراتا سلسلہ

دندان شکن

کاشف زبیر

تکلیف کسی بھی نوعیت کی ہو... جسم کی پھرتی اور چستی کو سستی میں بدل دیتی ہے... جلیل اور راجا کی جوڑی بھی اسی طرح کی ہے... ایک سست تو دوسرا چست... اس بار راجا نے کمال کرتے ہوئے اپنے دانتوں کی قربانی کا زبردست سودا کرلیا...

تبسم کی نیرنگی اور شرارتوں کی رنگینی میں ڈوبا ہنستا مسکراتا سلسلہ

راجا نے ایسی دل خراش چیخ ماری کہ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے آس پاس بیٹھے لوگوں کا حال زیادہ برا تھا کیونکہ راجا کے بعد ان کی باری تھی اور میں صرف راجا کے ساتھ آیا تھا۔ چیخ دراصل اس واویلے کا نقطۂ آغاز تھا جو راجا نے چیخ کے بعد شروع کیا تھا۔ ”ہائے ہائے... آئے ہائے... مر گیا... ابے او مردود... تو کیا مجھے قتل کر رہا ہے... آہ... اوووف... اتنی تکلیف تو مُردے کو عذاب کے فرشتے بھی نہیں دیتے۔“

''کیوں مرا جا رہا ہے۔'' ڈاکٹر صف شکن نے کہا۔ ''ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔''

راجا کے ساتھ باقی لوگ بھی اچھل پڑے تھے۔ راجا نے چلّا کر کہا۔ ''بغیر کچھ کیے اتنی تکلیف دے رہا ہے تو بعد میں کیا حال ہوگا؟''

''جب کروں گا تو پتا چل جائے گا۔'' صف شکن نے کہا۔ اس کے کلینک کے بورڈ پر بے شمار نامعلوم، لایعنی اور پُراسرار ڈگریوں کے ساتھ لکھا ہوا واحد قابلِ شناخت لفظ بھی تھا یعنی اس کا نام۔ ویسے برابر میں بیٹھے سال خوردہ حکیم نے اسے دندان شکن قرار دیا تھا۔ راجا کے واویلے سے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ راجا نے اگلی چیخ ماری تو لگا کہ اس کا دانت نہیں جبڑا مع بتیسی کے نکالا جا رہا ہے۔ مجھے تشویش لاحق ہوگئی کہ راجا آخرکار میرا یار ہے مددگار اور ذلیل و خوار تھا۔ اگرچہ صرف چھ گھنٹے اور پینتالیس منٹ پہلے میں اسے قتل کرنے کے مصمم فیصلے پر قائم تھا۔ پچھلی بقرہ عید پر ہم نے نادر شاہ کے بکرے کے ساتھ جو کیا تھا وہ راجا بدبخت نے عارفہ کے سامنے پھوٹ دیا تھا اور وہ بھی اسم بامسمّیٰ ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے باپ کو بتانے میں ذرا تاخیر نہیں کی۔

اس مخبری کا نتیجہ میری ایک مختصر تھانے یاترا کی صورت میں نکلا۔ میں صرف آدھے گھنٹے میں واپس آگیا تھا۔ مگر آنے جانے کے اس مختصر وقت نے میری جسمانی حالت میں دوررس تبدیلیاں مرتب کی تھیں۔ مثال کے طور پر میری بائیں آنکھ لقوے کے عارضی مریض یا چال چلن کی مستقل خرابی کے شکار نوجوان کی طرح بند تھی۔ یہ تو دیکھنے والے کی سمجھ پر منحصر تھا کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ چلنے کے ساتھ ساتھ دیکھنے والوں کو میری چال میں بھی خرابی واضح نظر آ رہی ہوگی۔ میں صرف محسوس کر سکتا تھا۔ راستے میں ایک نجومی کے دھندلے آئینے میں اپنا حال دیکھنے کی کوشش کی۔ یقیناً اس میں دوسروں کو اپنا مستقبل مخدوش ہی نظر آتا ہوگا۔ نجومی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صرف تباہ کن پیش گوئیاں کرتا ہے۔ دوسروں کو برے حال کی نوید سناتا ہے اسی لیے اس کا اپنا حال برا تھا۔ بہرحال اس کے منحوس آئینے میں، میں اپنا حال بھی نہیں دیکھ سکا کیونکہ میری گردن مخالف کرکٹ ٹیم کے اس کھلاڑی کی سی پوزیشن میں تھی جو شاہد آفریدی کا کیچ پکڑنے کے لیے گیند کی زمین پر واپسی کا انتظار کر رہا ہو۔

پیچھے دیکھنا ممکن نہیں تھا اس لیے گھر تک پہنچنے کے دوران میں مزید سانحات سے دوچار ہوا۔ ایک کتے نے مجھے تقریباً کاٹ لیا تھا۔ وہ نظر کی خرابی میں مبتلا تھا اور اسے خاصی تاخیر سے پتا چلا کہ اس نے جو ٹانگ منہ میں دبوچ رکھی ہے وہ میری نہیں ہے۔ پھر ایک فقیر بہت دیر تک کتے کی طرح بھونکتا رہا تھا۔ میں نے دونوں کی دموں پر پاؤں رکھا تھا، کم سے کم کتے کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی دم پر ہی پاؤں رکھا تھا۔

مزید برآں ایک بڑے میاں کی کونڈی کو لات ماری جو دانتوں کی عدم موجودگی میں پھالیا کونڈی میں کوٹ رہے تھے۔ انہوں نے پوپلے منہ سے جو مجھے کہا اس پر خدا انہیں معاف کرے، میں نے تو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ ایک کھلے مین ہول میں ٹھیک پاؤں جانے سے میری لنگڑاہٹ دور ہوگئی تھی کیونکہ اب میں دونوں پیروں سے لنگڑا رہا تھا۔ اس پورے سفر میں بس یہی اچھا ہوا کہ میں کسی بس یا ٹرک کے نیچے نہیں آیا، کسی نالے میں نہیں گرا جس میں پبلک نے کچرے کی دلدل سی بنا دی ہے۔ واحد حادثہ جس سے میں بچ گیا وہ قدرے کی باقیات تھی جو ایک بلڈنگ سے پھینکے جانے والے کچرے میں شامل تھی۔ کرکٹ کی ایک بال بھی میرے سر پر نہیں گری۔

اماں نے پہلے گرم پانی سے سینکائی کر کے میری آنکھ، ناک اور گردن کو ان کی اصل پوزیشنوں پر بحال کیا اور پھر میرے دونوں پیروں میں آیوڈیکس کی پالش کی۔ آخر میں زبردستی دودھ میں ہلدی ملا کر پلائی۔ البتہ خلیل مصر تھا کہ مجھے کسی اچھے آرتھوپیڈک کو دکھایا جائے جو مجھے کم سے کم ایک مہینا ہڈی وارڈ میں لٹکا کر رکھے۔ اماں نے میری بات پر یقین کر لیا تھا کہ ایک شرابی ڈرائیور نے بائیک مجھ پر چڑھا دی تھی مگر خلیل بھانپ گیا تھا۔ اماں کے جاتے ہی اس نے مجھ سے اگلوا لیا کہ اصل واقعہ کیا پیش آیا تھا۔ اس نے راجا کو چند نفیس اور برمحل گالیوں سے نوازا اور مجھ سے جلے کٹے انداز میں بولا۔

''تمہارا یہ نام نہاد یار کسی دن تمہیں قبر میں پہنچا دے گا۔''

''وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔'' میں نے ایک عزم سے کہا۔ ''راجا بدبخت اس سے پہلے قبر میں ہوگا۔ تم مجھے ذرا ٹھیک ہو لینے دو۔''

مرہم پٹی کے بعد اماں اگلے راؤنڈ میں صلواتیں سنانے آئی تھیں مگر میں اس سے پہلے ہی مصنوعی خراٹے لینے لگا۔ اماں جانتی تھیں کہ میں سوتا بنا ہوا ہوں لیکن انہوں نے فی الحال معاف کر دیا۔ میں نے تنہائی پاتے ہی راجا کو کال

کی اور اسے بے بھاؤ کی سنانے کے بعد مشورہ دیا۔ ”بیٹے ابھی سے اپنی قبر بک کرالے بلکہ کھدوالے۔ تیرا باپ تو تجھے کسی گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دے گا۔ دعا تک نہیں مانگے گا۔“

راجا معافی مانگ رہا تھا۔ ”یار عارفہ حراف نے پوچھا بھی اس وقت تھا جب آدمی جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔“

اس پر میں نے عارفہ کو بھی خاصی سنائی تھیں۔ راجا مجبوری میں ستارہا ورنہ جن دنوں عارفہ اس پر مہربان ہوتی تھی وہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنتا تھا۔ دل کی بھڑاس نکلنے سے پہلے بیلنس ختم ہوگیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ فون کمپنیوں والے یہ چند روپے کا بیلنس بھی کیوں دیتے ہیں۔ شاید زکوٰۃ خیرات نکالتے ہیں ہم غریب غربا کے لیے۔ اگلے دن جہت کے ڈیٹ پوائنٹ پر شنو مجھے بائیں آنکھ سے زیادہ رنگین نظر آئی۔ اس آنکھ میں ابھی تک لالی برقرار تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسی اور خاصی دیر ہنستی رہی۔ جب میں نے جھنجلا کر پوچھا۔ ”کیا میری صورت کسی کامیڈین سے ملنے لگی ہے؟“

”نہیں۔“ شنو نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ جتنے سے اس کے اعضا یوں ہل رہے تھے جیسے گل کو چھنے بجے کے بجتے ہیں وہ آج کل کچھ ایسی ہی ہورہی تھی۔ اگر وہ نارمل ہنس رہی ہوتی تو میں اسے کبھی نہ ٹوکتا۔ مغربی ممالک میں اعضا کی شاعری کے لیے خواتین کو رقص وغیرہ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں خواتین ہنسی اور قہقہوں سے یہ شاعری پوری کر لیتی ہیں۔ ”تمہاری شکل تو آپس میں نہیں مل رہی ہے، کسی کامیڈین سے کیا ملے گی۔“

”شنو، میرے ساتھ کل بہت برا ہوا۔“ میں نے سرد آہ بھری۔

”راجا جیسے دوست سے اور کیا توقع رکھتے ہو۔“ شنو نے بھی جلی کٹی سنائیں۔ راجا سے اسے ویسے ہی اللہ واسطے کا بیر تھا۔ ”شکر کرو کہ واپس آگئے۔“ شنو نے بھی خلیل والی بات ذرا دوسرے پیرائے میں کہی۔ ”لائے نہیں گئے۔“

شنو کے سامنے بھی میں نے عزم مصمم دہرایا کہ راجا کی زندگی کے دن مختصر رہ گئے ہیں۔ اگرچہ اماں کے دیسی علاج کے بعد میں اندر سے بالکل ٹھیک محسوس کررہا تھا مگر شنو سے رقم نکلوانے کے لیے میں نے اپنی حالت خراب ہی ظاہر کی۔ ٹیلر کی دکان مستقل بند ہونے سے میری آمدنی کا گراف پھر سے دو سال پہلے والی پوزیشن پر آگیا تھا اور اب میں سرکار کی پیروی کرتے ہوئے قرض ادھار پر گزارہ کررہا تھا۔ سرکار کا قرض عوام اتارتی ہے اور میرا شنو اتارتی ہے۔ مگر عوام سے رقم نکلوانا جتنا آسان ہے، شنو سے رقم نکلوانا اتنا ہی مشکل کام تھا۔ بہرحال میں نے کسی نہ کسی طرح شنو کے سیف ڈیپازٹ سے پانچ سو کا ایک نیم گرم نوٹ نکلوا ہی لیا۔

میرا ارادہ اگلے دن بھی آرام کرنے کا تھا مگر بجلی والوں کو میرا ارادہ پسند نہیں آیا۔ عین بھری دوپہر میں محلے کی پی ایم ٹی میں دھماکا ہوا، کچھ شعلے وغیرہ نکلے اور گھروں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا چھا گیا کیونکہ اب یہ چوبیس گھنٹے سے پہلے ٹھیک ہونے والی نہیں تھی۔

راجا سے حساب کتاب کرتا تھا۔ اس کے لیے میں شام کا انتظار کررہا تھا کہ مکمل فٹ ہوجاؤں اور راجا کو جان بچانے کا موقع نہ ملے مگر اہلیت کی کم شدگی نے مجھے وقت سے پہلے نکلنے پر مجبور کردیا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے کیفے ڈی پھوس سنسان اور ویران تھا۔ شدتِ گرمی سے فتو اور اس کا ڈیک ایک سے انداز میں ہانپ رہے تھے۔ فتو کا زیادہ برا حال تھا کیونکہ وہ چولھے کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے میں صرف پوٹیں ٹھنڈا تھا ورنہ پنکھا تک گرم ہوا پھینک رہا تھا۔ فتو مجھے دیکھ کر کھل اٹھا حالانکہ صبح یا شام کے رش آور میں اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ ایک نحس جانور کے بال کا حوالہ اس لیے نہیں دیا کہ وہ فتو کی آنکھوں میں پیدائشی موجود تھا۔ سنا ہے والد ماجد نے تلاش کر کے خود ڈالا تھا۔ فتو کی تربیت خاص خود فرمائی تھی جس کا ایک واقعہ فتو نے یوں بیان کیا کہ ایک بار والد گرامی نے الماری پر بٹھا کر کہا۔ ”بیٹا کود جاؤ، میں پکڑ لوں گا۔“

اس وقت فتو کم سے کم اپنے باپ پر اعتبار کرتا تھا۔ اس نے چھلانگ لگا دی اور والد ماجد عین موقع پر ہٹ گئے۔ منہ کے بل لینڈنگ کا نشان آج بھی فتو کے منحوس منہ پر موجود ہے۔ بہرحال والد صاحب نے جو سبق دیا تھا اسے فتو نے گرہ سے باندھ لیا کہ اس کے بعد باپ پر بھی اعتبار نہیں کیا۔ بہرحال یہ وقت ایسا تھا کہ فتو کے لہجے میں بھی مٹھاس آگئی اس نے پوچھا۔ ”جلیل کڑک پیے گا یا دودھ پتی۔“

محاورہ ہے کہ گرمی کو گرمی مارتی ہے اس لیے میں نے کڑک کا آرڈر دیا۔ اس نے براہِ راست کپ میں ڈال کر چینی کی او رمنہ کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ ڈینٹ پینٹ کرایا ہے یا کسی نے کردیا۔“

گرم چائے سے زبان جلی تو آہ کے ساتھ راجا کے

لیے بے شمار ناگفتنی منہ سے نکل گئیں۔ فتو ہنسا۔ "اسی لیے تو راجا سے یاری ترک کر دی۔ جلیل، وہ دوستی کے قابل نہیں ہے۔"

"تو نے صحیح کہا لیکن وہ دشمنی کے قابل ضرور ہے۔" فتو تجسس سے بولا۔ "کیا کرے گا؟... یہ مرڈر وڈر تیری لائن نہیں ہے۔"

"یہ بھی تو نے ٹھیک کہا لیکن اس سے کم کرنے کو دل نہیں مان رہا۔"

"چھوڑ جلیل، راجا میں بچا ہی کیا ہے، دو تین سال اور عارفہ کے شکنجے میں رہا تو خود قبر میں پہنچ جائے گا۔ وہ خون پینے والی چڑیل سے کم نہیں ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔"

فتو فکر مند ہو گیا۔ "تو اس بار سنجیدہ لگ رہا ہے۔"

"میں قطعی سنجیدہ ہوں۔" میں نے کپ میز پر پٹخ کر کہا۔ "اگر وہ ذلیل اس وقت یہاں آ گیا تو سمجھ لے کہ تیرا ہوٹل جائے وقوعہ بن جائے گا۔ اخبارات اور ٹی وی میں اس کی تصویریں آئیں گی۔ لوگ دور دور سے یہاں چائے پینے اور باسی کیک، بسکٹ کھانے آئیں گے۔"

برا ماننے کے بجائے فتو کا منہ کھل گیا تھا۔ اس نے ہاتھ سر پر پھیرا اور پھر یوں جھٹکا جیسے دفع ہونے کا اشارہ کر رہا ہو۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "خیریت، اچھا بھلا منہ سے بولتے ہوئے تو نے اچانک اشاروں کی زبان میں بات کیوں شروع کر دی۔"

"کچھ نہیں۔" فتو نے بوکھلا کر کہا اور دوبارہ ہاتھ جھٹکا۔ وہ میرے پیچھے دیکھ رہا تھا اور اس بار میں نے بھی دیکھا۔ راجا دبے قدموں ریوڑیں کیٹرز میں جا رہا تھا۔ مگر میرے دیکھتے ہی اس نے رخ اور گیئر بدلا اور گولی کی طرح روانہ ہوا۔ میں نے اسے اور فتو کو مشترکہ گالی دی اور میز الٹ کر راجا کے پیچھے لپکا۔ راجا یوں بھاگ رہا تھا جیسے سو میٹرز کی دوڑ میں حصہ لے رہا ہو۔ میرے گھٹنوں کے بال بیرنگ پوری طرح رواں نہیں ہوئے تھے۔ راجا ہر گزرتے لمحے دور ہوتا جا رہا تھا۔ عین اس وقت جب وہ تقریباً صبح کا ستارہ بن گیا تھا اس کی بدبختی کا ستارہ چمکا۔ بدقسمتی ایک کیلے کے چھلکے کی صورت میں راجا کے پیروں تلے آ گئی۔ راجا نے ایک شاندار قلابازی کھائی اور اس کے بعد فلمی انداز میں الٹا پلٹتا ہوا ایک خاتون کے قدموں میں جا کر رکا۔ خاتون نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور ایک ناز بھری چیخ ماری۔ ہاتھ رکھنے سے کسی قدر پردہ پوشی ہوئی تھی کیونکہ وہ دوپٹا نہ ہونے کے برابر تھا۔ شکل تو عام سی تھی مگر خود کو خاص بنانے کے کچھ اور گر خاتون کے پاس تھے۔ ان کا لباس تقریباً اسکن فٹ تھا اور راجا کو یہ نظارہ خاصا سنسنی خیز لگا تبھی وہ اسی پوز میں منجمد ہو گیا اور فرار ہونے کا جو وقت اس کے پاس تھا وہ اس نے اس نظارے کی نذر کر دیا۔ میں ہانپتے ہوئے راجا تک پہنچا اور جھک کر اس کی گردن دبوچی تو راجا منمنایا۔

"جلیل مجھے معاف کر دے، میرا پہلے ہی برا حال ہے۔"

میں نے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تو برا حال فوراً نظر آ گیا۔ اس کا گال ایک طرف سے پھولا ہوا تھا اور یہ دوسری طرف کے پچکے گال سے کہیں بہتر لگ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں، میں ابھی تیرا دوسرا گال بھی ایسا ہی کر دیتا ہوں۔ ویسے یہ کس نے کیا؟... خیر جس نے بھی کیا اس نے میرا ہی کام کیا۔"

میں نے کہتے ہوئے راجا کے ٹھیک جبڑے کے لیے مکا گھمایا مگر وہ عین موقع پر جھکائی دے گیا۔ میں نے بروقت دیکھ لیا کہ راجا کے عین پیچھے خاتون تھیں اور انہوں نے اپنی جگہ سے سرکنے کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے مکا روکتے روکتے بھی ان کے منہ کو چھو گیا۔ چوٹ نہ ہونے کے برابر تھی مگر ان کے منہ سے جس قسم کی آواز برآمد ہوئی ایسی دہاڑ تو گولی کھانے والے بھی نہیں مارتے ہوں گے۔ چیخ کے ساتھ دوسرا لفظ جو ان کے منہ سے نکلا وہ "منی کے ابا" تھا۔ اِدھر ان کے منہ سے نکلا اور اُدھر منی کے ابا آن موجود ہوئے۔ خاتون کی صحت کے مقابلے میں منی کے ابا آدھے بھی نہیں تھے۔ مگر ان میں جوش و جذبہ اتنا بھرا ہوا تھا کہ پچیس انچ کے سینے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ صرف یہ جذبہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ کئی منیوں کے ابا بننے کی سکت رکھتے تھے۔ بیگم کے واویلے پر لبیک کہتے ہوئے انہوں نے مجھ پر یلغار کی۔ ان کا چلایا ہوا مکا راجا کے درست جبڑے پر لگا جہاں میں ضرب لگانا چاہتا تھا۔ راجا جو میرا وار خالی جانے سے خوش تھا، کراہ کر لڑکھڑایا اور خاتون پر جا گرا۔ خاتون نے اس کا بالکل برا نہیں منایا مگر ان کے مدقوق شوہر نے ضرور منایا۔

"اے دور ہٹ... ہماری زوجہ سے... مردود۔"

انہوں نے چلا کر کہا اور ایک بار پھر میرے چہرے کو نوازنے کی کوشش کی لیکن میں نے کامیابی سے ان کا مکا بلاک کیا اور پھر پیٹ پکڑ کر رکوع میں چلا گیا کیونکہ انہوں نے اتنی ہی تیزی سے اپنا استخوانی گھٹنا میرے پیٹ

میں مارا تھا۔ میرے جھٹکے کا نقصان یہ ہوا کہ راجا جو خاتون سے بادلِ ناخواستہ الگ ہو کر آگے آ رہا تھا اس نے جھک کر ہاتھ چلایا اور میاں جی کی ناک کو فلسوستاک بنا دیا۔ انہوں نے تقریباً بیگم جیسی چیخ ماری اور شور کرنے لگے۔

"ہائے... ہائے، جی مار دیا... ناک کا ملیا کر دیا۔"

راجا کے واجبی سے مُکّے سے ان کی ناک کو کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا مگر شاید واویلا کرنا ان میاں بیوی کا مشغلہ تھا۔ آس پاس جمع تماشائی بیک وقت تماشے اور خاتون کے جامے سے باہر ہوتے حسن سے محظوظ ہو رہے تھے۔ میاں جی کو مکا راجا نے مارا تھا مگر خاتون نے اسے بخش دیا اور گھما کر مجھے اپنا جہنڈ بیگ رسید کیا جس کا وزن دو ڈھائی کلوگرام تو تھا اور مجھے دن میں تارے وغیرہ نظر آ گئے، دنیا گھومنے لگی۔ مجھے چکراتے پا کر میاں جی نے آسان ہدف سمجھا اور عقب سے میری گردن دبوچ کر فری اسٹائل کشتی کے انداز میں نیک لاک لگا دیا۔ اس داؤ میں سانس رک جاتا ہے اور میرا ابھی سانس رک گیا۔ بدقسمتی سے میاں جی نے بالکل درست داؤ لگایا تھا اور میں کوشش کے باوجود خود کو چھڑا نہیں پا رہا تھا۔ میری سانس رکنے لگی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتے ہی وہ تمام اجرام فلکی غائب ہو گئے جو خاتون کی ضرب کلیم کے بعد نظر آئے تھے۔

دن دہاڑے میں کچھ دیکھنے سے قاصر تھا اور عین اس وقت جب مجھے لگ رہا تھا کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے اور مجھے کلمہ شریف پڑھ لینا چاہیے، اچانک میری گردن چھوٹ گئی اور میں یوں سانس لینے لگا جیسے ایک سال بعد سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ یقیناً میاں جی نے ترس کھا کر میری جاں بخشی کی تھی۔ مگر جب میری سانس بحال ہوئی اور آنکھوں کے آگے آنے والا اندھیرا چھٹا تو میں نے میاں جی کو کسی معصوم بچے کی طرح فٹ پاتھ پہ محوِ خرام پایا۔ اگرچہ ان کی بیگم کے واویلے سے لگ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کی نیند سو چکے ہیں۔ مگر اس غلط فہمی کی تردید ان کا پسلیوں والا سینہ کر رہا تھا جو سستی سے ہی لیکن اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ مجھے لٹانے کے بجائے وہ خود لیٹ گئے تھے۔ ابھی میں اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ راجا نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

"جلیل نکل یہاں سے۔"

تماشائی اب بھی تماشے اور خاتون سے محظوظ ہو رہے تھے جو کہ یکجا ہو گئے تھے۔ اس لیے کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی اور فرار کی راہ میں دخل اندازی سے گریز کیا۔ ذرا آگے نکلنے کے بعد میں نے توجہ دی تو راجا کے ہاتھ میں وہی بیگ پایا جس نے مجھے ناک آؤٹ کیا تھا۔ میں رک گیا۔ "یہ بیگ تو اس خاتون کا ہے۔"

"کسی بڈھے کے سر پر ٹھیک لگا۔" راجا نے اطمینان سے کہا۔ "تو قریب المرگ تھا جب میں نے بیگ گھما کر اس کے سر پہ مارا۔"

راجا بیگ کی تلاشی لینے لگا۔ اس نے بیگ سے جو پہلی چیز نکالی اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ رسالوں، فلموں اور انٹرنیٹ پر اس قسم کی اشیا بارہا دیکھی تھیں لیکن ذاتی طور پہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ راجا بھی دم بخود تھا غالباً اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ خاتون کے پرس سے ایسی کوئی ممنوع چیز برآمد ہو سکتی ہے۔ اس نے گھبرا کر اسے ایک طرف پھینکا۔ اب مجھے پتا چلا کہ کس چیز نے مجھے ناک آؤٹ کیا تھا۔ راجا بھاگا تو میں اس کے پیچھے لپکا۔ بیگ کا باقی معائنہ اس نے ایک تنگ و تاریک گلی میں کیا۔ مگر اس کے سوا کوئی چیز ممنوع نہیں تھی۔ راجا نے ماتھے پہ آیا پسینا صاف کیا۔ یہ پسینا گرمی سے زیادہ کسی اور وجہ سے آ رہا تھا۔ "میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمارے ہاں بھی اس قسم کی چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔"

"سوچا تو میں بھی نہیں تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اگر پرس سے پستول، چرس یا دستی بم نکل آتا تب بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی۔"

کچھ دیر بعد ریڑھی والے سے گنے کے تازہ رس کے دو یخ بستہ گلاس پی کر حواس مکمل طور پر ٹھکانے آئے تو مجھے یاد آیا کہ میں تو راجا کے قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ یاد آنے پر میں ہچکچایا کیونکہ بہر حال راجا نے میری جان بچائی تھی۔ ورنہ میاں جی کتنے ہی مدقوق سہی میں نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ "راجا تو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، نادر شاہ نے میرے ساتھ تھانے میں وہ سلوک کیا جو اصل نادر شاہ نے دلی کے ساتھ بھی نہیں کیا تھا۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "میں خود کئی بار ان ہی حالات سے گزر چکا ہوں۔ تو بے شک لنگڑ بھگڑ کی طرح سہی لیکن اپنے پیروں پہ چل رہا ہے، مجھے تو اٹھا کر لایا جاتا رہا ہے۔"

"پھر بھی تو اس حرافہ... کے پاس گھسا رہتا ہے۔"

راجا نے دانت نکالے۔ "کیا کروں یار، وہ کمینی ہے حرافہ ہے موقع پرست ہے مگر یار وہ عارفہ بھی تو ہے۔"

اس کا تو مجھے بھی اعتراف تھا کہ عارفہ کسی لحاظ سے کم نہیں تھی بلکہ بعض مقامات سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ اس نے راجا میں کیا دیکھا۔ شاید یہ بھی کسی قسم کی کج روی تھی کیونکہ دونوں میں بہرحال عشق و عاشقی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میاں جی کی ضرب نے راجا کے ٹھیک رخ کو بھی کسی قدر سجا دیا تھا مگر دوسرا رخ جو پہلے سے سوجا ہوا تھا، وہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ ''یہ کیا ہوا ہے؟''

راجا نے منہ دبایا۔ ''ایک ڈاڑھ مسئلہ کرگئی ہے۔''

''اور یہ مسئلہ شروع کیسے ہوا؟''

استاد جانی جو پایہ تو اسے کسی نے بتایا کہ ہم نے پچھلی بقرہ عید پر اس کے بکروں کے ساتھ کھپایا گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ مار کر یہ ڈاڑھ ہلا دی۔''

میں فکرمند ہوگیا۔ ''اس نے یقین نہیں کیا ہوگا ورنہ ہاتھ نہیں کوئی مارتا۔''

''یہی بات ہے۔'' راجا نے اپنا منہ دبایا۔ ''زخم اندر تک چلا گیا اور دانت کھوکھلا ہوگیا۔''

''اس کا ایک ہی علاج ہے۔'' میں نے اشارے سے دانت نکالنے کا مظاہرہ کیا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' راجا نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''لیکن میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور کوئی ڈینٹسٹ فری میں دانت نکالنے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

''میں تو تیری جان نکالنے آیا تھا۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''اگرچہ دانت میں بھی نکال سکتا ہوں لیکن نکالا تو غلط ہی نکل آئے گا۔''

''یہ پیشکش تو ابا نے بھی کی تھی۔'' راجا نے سرد آہ بھری۔ ''کہہ رہے تھے سارے نکال دیتا ہوں اس میں یہ بھی نکل جائے گا۔''

میں نے راجا کا چہرہ دیکھا تو مجھے ترس آنے لگا۔ وہ کچھ بھی سہی تھا تو میرا یار۔ مگر میری جیب میں بس وہی پانچ سو کا نوٹ تھا جس سے شنو کی خوشبو آرہی تھی اور میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے خود سے جدا کروں۔ دوسری طرف راجا کا بھی کچھ کرنا تھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ جمن خانے کے پاس ایک گلی میں دیسی علاج کرنے والے بیٹھتے ہیں۔ ان میں شاید کوئی دندان شکن یعنی ڈینٹسٹ بھی ہو۔ وہاں سستے میں کام چل سکتا تھا۔ میں نے راجا سے کہا۔ ''چل میرے ساتھ ایک جگہ ہے جہاں تیری بتیسی نکالی جاسکتی ہے۔''

''مجھے صرف ایک دانت نکلوانا ہے جو کھوکھلا ہوگیا ہے۔'' راجا نے گھبرا کر کہا۔

''بیٹا جب ایک دانت جاتا ہے تو باقی دانت اس کے پیچھے ایسے جاتے ہیں جیسے ہماری بجلی لائن ایک کے بعد ایک کرکے جاتی ہے۔ میرا مشورہ ہے اس سے ہول سیل میں بات کرلینا کہ وقفے وقفے سے ساری بتیسی نکالنے کے کیا لے گا۔''

راجا اپنی اوقات پر آگیا، اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''بکواس نہ کر، بس یہ ایک دانت نکل جائے یہی کافی ہے۔''

ہم مذکورہ گلی میں آئے جہاں آغاز میں ہی عبرت ناک قسم کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ ایک پہلوان کے پنجۂ ستم میں دبا ہوا مظلوم چیخ و پکار کررہا تھا۔ پہلوان غالباً اس کے گھٹنے سے نیچے پاؤں کو آگے کی طرف مڑنے کے قابل بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کے مدمقابل جراح مقابلے پر ایک مضروب کی کہنی کا جوڑ بٹھانے میں مصروف تھا۔ مقابلہ ان کے ستم رسیدوں کی چیخ و پکار کا تھا۔ راجا دہشت زدہ نظر آنے لگا۔ ''جلیل یہ کہاں لے آیا؟''

''تیرے ساتھ ہڈی کا نہیں، دانت کا معاملہ ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ مگر کچھ ہی آگے ایک دندان ساز دندان شکنی میں مصروف تھا۔ اس کا کشتہ آواز بھی نہیں نکال پا رہا تھا کیونکہ اس کے منہ میں دندان ساز مع اپنے اوزاروں سمیت گھسا ہوا تھا۔ البتہ وہ جاں کنی کے مریض کی طرح ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا۔ راجا نے اسی وقت فیصلہ سنا دیا۔

''میں الیکٹرک چیئر پر بیٹھنا پسند کروں گا بہ نسبت اس کی کرسی پر بیٹھنے کے۔''

''اگر تو امریکا میں ہوتا تو تیری یہ خواہش اب تک پوری ہوچکی ہوتی۔ مگر دندان شکن کرسی ہی استعمال کرتے ہیں۔ میز صرف آپریشن یا پوسٹ مارٹم کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ویسے فکر مت کر، میں تجھے جس کے پاس لے جا رہا ہوں وہ باقاعدہ کلینک رکھتا ہے، مت پاتھ پر تشدد کے یہ مظاہرے نہیں کرتا۔''

''ان سب کو دیکھ کر مجھے نادر شاہ جیسے پولیس والے بھی رحم دل نظر آنے لگے ہیں۔''

''فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تشدد سے پہلے اپنی فیس وصول کرلیتے ہیں پولیس والے بعد میں لیتے ہیں۔''

صف شکن کا کلینک میں خود بھی بھول گیا تھا۔ ایک حکیم نے بادل ناخواستہ مراقبے سے نکل کر صف شکن کے کلینک کا پتا بتایا۔ البتہ اس نے اسے دندان شکن قرار دیا اور دعویٰ کیا

کہ اس کی بنائی ہوئی دوا نہ صرف دانتوں کو گرنے سے روکتی ہے بلکہ گرے ہوئے دانت دوبارہ نکل آتے ہیں۔ نیز کھوکھلے دانت یوں بھر جاتے ہیں جیسے استخوانی حسن رکھنے والی لڑکیاں شادی کے ایک سال بعد بھر جاتی ہیں۔ حکیم مذکورہ کے نہ صرف پاؤں بلکہ باقی اعضا بھی تقریباً قبر رسیدہ ہو چکے تھے لیکن لڑکیوں اور خواتین کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لہجے میں رس آگیا تھا۔ وہ اس حوالے سے اپنی دوا کے مزید چشم کشا راز افشا کرنے پر آمادہ تھے۔ یہ انکشافات بھی شادی کے بعد کے حالات و واقعات کے بارے میں تھے اور راجا بھی دلچسپی لے رہا تھا لیکن میں اسے کھینچ کر ڈاکٹر صف شکن کے کلینک تک لے آیا جیسے بقرہ عید پر قربانی کے جانور کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صف شکن کے بورڈ پر لایعنی اور ناقابلِ فہم ڈگریوں کے ساتھ دوسری سمجھ میں آنے والی چیز اس کا ریٹ تھا۔ وہ صرف پچاس روپے میں آپ کا دانت نکال کر آپ کے ہاتھ میں رکھ سکتا تھا۔ اندر جانے سے پہلے راجا نے منمنا کر کہا۔

"یار حرج کیا ہے اس کی دوا آزمالینے میں؟"

"راجا گدھے تو نے اس حکیم گدھے کو رال بہاتے دیکھ کر غور نہیں کیا اس کے اپنے منہ میں کوئی دانت نہیں ہے۔ اپنی دوا خود کیوں نہیں کھا لیتا۔"

"لیکن اس کے باقی اثرات..." راجا نے کہنا چاہا مگر میں اسے اندر دھکیل چکا تھا جہاں ایک سیاہ فام اور بھاری جسامت والی نرس نے راجا کو یوں دبوچا جیسے قصائی بکرے کو دبوچتا ہے۔ راجا اس وقت بھی بکرے کی طرح منمنا رہا تھا۔ نرس کے شکنجے میں آنے کے بعد اس نے فریاد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا البتہ فکر مند ہو گیا۔ کلینک کا ماحول خاصا پُراسرار سا لگ رہا تھا۔ چند سہمے ہوئے مریض پہلے سے موجود تھے۔ میرا خیال تھا کہ راجا کی باری ان کے بعد آئے گی۔ مگر نرس راجا کو دبوچے ہوئے پہلے ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں سے راجا کی لایعنی قسم کی آوازیں آئیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن کہہ نہ پا رہا ہو۔ میری تشویش بڑھ گئی۔ راجا کی عصمت کو فی الحال خطرہ نہیں تھا۔ اس کے پاس گنوانے کے لیے واحد چیز جان تھی اور مجھے اسی کی فکر تھی۔ پھر اسے زندہ سلامت باہر آتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگرچہ وہ اب بھی سیاہ فام نرس کے قبضۂ قدرت میں تھا جو جسامت سے نادر شاہ کا زنانہ ایڈیشن لگ رہی تھی۔ وہ اسی طرح دبوچے ہوئے اسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اس پر پہلے سے موجود ایک مریض نے احتجاج کیا۔

"باری تو ہماری ہے۔" اس نے منہ دبا کر کہا۔

"نرس کو وہ زیادہ پسند آیا ہے۔" دوسرے نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار رشک کے جذبے کے ساتھ کیا۔ "پتا نہیں پہلے اسے اکیلے کمرے میں کیوں لے گئی تھی۔"

مگر ایک منٹ بعد احتجاج کرنے والا اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ نہیں گیا اور دوسرا اپنے رشک و حسد دونوں سے دست بردار ہو گیا تھا۔ میرے دانتوں میں دور دور تک کوئی مسئلہ نہیں تھا اس کے باوجود راجا کا واویلا سن کر میرا دل جو پہلے حلق میں آیا تھا اب پھسل کر معدے میں جا چکا تھا اور اس سے بھی نیچے کہیں جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے سوچ لیا کہ اگر مجھے دانتوں میں کوئی مسئلہ ہوا اور کرۂ ارض پر ڈاکٹر صف شکن واحد ڈینٹسٹ بچا تب بھی میں اس کے پاس نہیں پھٹکوں گا۔ آخر میں اندر سے ایسی آوازیں آئیں جیسے راجا غرارے کر رہا ہو۔ پھر ایک بیل کی سی چیخ سنائی دی اور اندر پُراسرار سی خاموشی چھا گئی۔ احتجاج کرنے والے نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تمہارا دوست گزر گیا ہے۔"

میں راجا کی لاش ڈھونے کے خیال سے متوحش ہو گیا۔ میں نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اول تو ایک دانت نکالنے سے آدمی نہیں مرتا ہے اور دوسرے راجا اتنا غیرت مند ہے بھی نہیں۔"

"کیا پتا اس نے کیا کیا نکال لیا ہو۔" حاسد روہانسے لہجے میں بولا۔ "کاش میں نے خوشگپی فیس نہ دی ہوتی۔"

میں دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا چند لمحے بعد پردہ سرکا اور تنومند نرس راجا کی باقیات میرا مطلب ہے لاش اٹھائے اندر سے نمودار ہوئی اور تقریباً پھینکنے کے انداز میں میرے حوالے کیا۔ "لے جاؤ اسے۔"

"راجا مر گیا؟" میں نے گھبرا کر کہا۔ "نادر شاہ مجھے ذاتی طور پر پھانسی چڑھا دے گا۔"

"جبلیں کیا ہو گیا ہے تجھے، میں زندہ ہوں۔" راجا نے مجھے ہلایا تو میں ہوش میں آیا اور تب مجھے پتا چلا کہ میں خیالوں میں کچھ زیادہ ہی دور نکل گیا تھا۔ راجا بالکل صحیح سلامت میرے سامنے کھڑا تھا اس کا منہ جزا اب ٹھیک لگ رہا تھا۔ جہاں پہلے سوجن تھی وہاں اب گڑھا سا نمودار ہوا تھا۔ اپنی وفات کے بارے میں میرے خدشات سن کر راجا خفا ہو گیا تھا۔ سیاہ فام نرس اب احتجاجی کو دبوچ کر لے جا رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی احتجاج کر رہا تھا کہ اسے کیوں

لے جا رہی ہے، پہلے حاسد کو لے جائے۔

''راجا بدبخت تو نے اندر جتنا واویلا کیا تھا اتنا تو آدمی مرتے وقت بھی نہیں کرتا ہے۔''

''او پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا لیکن اب پتا چلا کہ دانت نکلوانے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔'' راجا نے اپنا جبڑا دبایا۔ ''مگر اب سکون ہے۔''

ہم باہر آئے تو مجھے یاد آیا۔ ''ڈاکٹر نے فیس تو لی نہیں۔''

راجا بھی حیران ہوا۔ ''ہاں اس نے فیس نہیں لی بلکہ نرس نے مجھے آئس کریم بھی کھلائی تاکہ خون رک جائے اور سوجن اتر جائے۔''

''یہ کہاں سے اتنا کئی آ گیا۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''راجا نرس نے تیرے ساتھ تنہائی میں کیا کیا؟''

''خبیث الزماں وہ سب نہیں کیا جو تیرے ذہن میں فتور کی طرح چکرا رہا ہے۔'' راجا نے جواب دیا۔ ''اس نے میرا منہ کھلوا کر تقریباً اندر گھس کے میرا معائنہ کیا تھا اور اس کے بعد مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی۔''

''اس معائنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ اصل کام تو ڈاکٹر نے کرنا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو تیرے بارے میں کچھ بتایا تھا؟''

''ہاں لیکن کان میں اور اس کے بعد ڈاکٹر یوں میری طرف لپکا جیسے دانت کے بجائے جان نکالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مجھے ٹیٹنے بھی دے دیتا اور کھڑے کھڑے میرا دانت نکال کر ہاتھ میں رکھ دیتا۔''

''اس نے سن کرنے والا انجکشن لگایا تھا؟''

''کوئی انجکشن نہیں لگایا۔ بعد میں بھی نہیں لگایا۔ البتہ دوا لکھ کر دی ہے۔'' راجا نے جیب سے پرچہ نکالنا چاہا لیکن میں نے روک دیا۔

''اسے اندر ہی رکھ۔'' میں نے کہا۔ میرا پانچ سو کا نوٹ بچ گیا تھا اور میں اسے کچھ دیر اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ مگر ڈاکٹر صف شکن کا رویہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا اس نے نہ صرف فری میں راجا کا دانت نکالا بلکہ اسے آئس کریم بھی کھلائی۔ بہرحال راجا کا کام ہو گیا تھا اور وہ میرے ہاتھوں مقتول ہونے سے بھی بچ گیا تھا۔ ابھی چند دن اسے ان تمام اشیا سے پرہیز کرنا تھا جن سے وہ صبح سے شام تک شغل کرتا تھا۔ یعنی گٹکا اور چائے وغیرہ۔ جمی خانے کے پاس سے میں اس سے جدا ہوا۔ راجا یقیناً آسانی سے جدا ہونے والا نہیں تھا مگر جیسے ہی وہ سامنے سے گزرتی لڑکی کی طرف متوجہ ہوا

میں ساتھ والی گلی میں گھس گیا اور چند گلیوں بعد دوسری سڑک پر نکلا تھا۔ اب راجا کا باپ بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ کمینے ڈی پھوس میں فتو نے پھر مجھے رشک آمیز نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

''پولیس نے اب تک تجھے پکڑا نہیں۔''

میں نے اسے مطلع کیا۔ ''آرام سے پکڑے گی جب میں اپنے تمام یاروں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔''

فتو فکرمند ہو گیا۔ ''راجا کی حرامزدگی تو واضح تھی باقیوں نے کیا قصور کیا ہے۔''

''وہ بھی راجا سے کم کمینے نہیں ہیں۔'' میں نے فتو کو گھورا۔ اس نے فوری چھوٹے کو اشارہ کیا اور وہ میرے لیے دودھ پتی لے آیا۔ چائے نوشی کے دوران میں ان طریقوں پر روشنی ڈال رہا تھا جن سے کسی کمینے دوست کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ کوشش یہ ہو کہ وہ زیادہ سے زیادہ تکلیف سے مرے۔ فتو نے اس میں اضافہ کیا۔

''سب سے تکلیف دہ طریقہ شادی ہے، آدمی سسک سسک کر چالیس پچاس سال میں مرتا ہے۔ ہر لمحے جاں کنی کی کیفیت ہوتی ہے اور جان بھی نہیں نکلتی۔''

''بس اسی وجہ سے تو اب تک بچا ہوا ہے۔'' میں نے خالی کپ اس کے سامنے رکھا اور اس بار بھی بل دیے بغیر روانہ ہو گیا۔ آج گھر میں دال ٹنڈے پکے تھے اس لیے میں نے نہاری کی نیت کی اور آتش نشاں نہاری کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی میں آتش نشاں نہاری کی پلیٹ پر (جو پیٹ میں منتقل ہو چکی تھی) دوسری بار کولڈ ڈرنک انڈیل رہا تھا کہ مجھے راجا کی صورت نظر آئی۔ مجھے اچھو لگ گیا جب تک میں کھانس کر فارغ ہوتا راجا نے پرہجوم نہاری ہاؤس میں مجھے تلاش کر لیا اور تیر کی طرح میری طرف آیا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی سوجن تھی لیکن اس سے زیادہ وحشت تھی۔ اس نے بلا تمہید کہا۔

''راجا وہ کمینہ ہاتھ دکھا گیا۔''

''کون؟''

''وہی ڈاکٹر صف شکن...'' راجا نے میرے آس پاس ناچتے ہوئے کہا۔ شکن کے بعد کے باقی الفاظ نہایت ناقابل اشاعت تھے۔

''تیرا مطلب ہے اس نے غلط دانت نکال دیا۔''

''نہیں دانت تو ٹھیک نکالا ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہوا ہے؟''

راجا نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ میں نے کاؤنٹر

پر ادا کی اور ہم باہر آ گئے جہاں راجا نے اسٹریٹ لیمپ کی طرف منہ کر کے اپنا منہ بھاڑ کی طرح کھولا۔ ''اندر دیکھ۔''

نہاری حلق تک بھر کر میرا راجا کے منہ میں جھانکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے بادلِ ناخواستہ میں نے اندر جھانکنا چاہا تو اچانک آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا تھا۔ صرف آنکھوں کے آگے نہیں بلکہ آس پاس ہر جگہ اندھیرا چھا گیا تھا۔ بجلی والوں نے بروقت لائٹ بند کی تھی۔ لائٹ کی تلاش میں ہمیں دو کلومیٹرز دور جانا پڑا تھا۔ راستے میں راجا نے صرف ڈاکٹر کی شان میں گستاخیاں کی تھیں اور منہ سے پھوٹ کر نہیں دیا تھا کہ اس نے راجا کے ساتھ کیا کیا تھا۔

''اس کے ساتھ جو میں کروں گا وہ دیکھنا۔''

''تو کیا کرے گا؟''

راجا نے واضح کیا کہ وہ نکاح تک نہیں کرے گا۔ میں ہنسا۔ ''وہ تو تو نے عارفہ سے بھی نہیں کیا ہے۔''

''جس نے کیا نکاح کا انتظار وہ بیٹھا رہ گیا۔''

''ٹھیک کہا تو نے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''یارانِ تیز گام کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ لتو کے منہ سی اس کی بیوی کے کئی بچے ہو گئے ہیں۔ جمی بھی کئی بار شادی کی منزل سے ہمکنار ہوتے ہوتے رہ گیا۔''

''بس ایک تو ہے جو منگیتر ہوتے ہوئے بھی ابھی تک تصویری پہ گزارہ کر رہا ہے۔'' راجا نے دانت نکالنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس کے منہ سے ڈاکٹر حلف شکن کے لیے کئی ناگفتنی نکل گئیں۔ اس کا جبڑا ٹھیک تھا یعنی اتنا ہی سوجا ہوا تھا جتنا آپریشن کے بعد تھا۔ جو اسٹریٹ لیمپ روشن ملا اس کا بلب ضعیفی کی وجہ سے ٹمٹما رہا تھا اور مجھے راجا کے منہ میں ٹھیک سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا البتہ اس کی غائب ڈاڑھ کا خلا کچھ بڑا محسوس ہوا تھا۔ میں نے راجا کو بتایا تو اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''یہی تو بتا رہا ہوں۔ اس کمینے نے میرا اچھا دانت بھی نکال لیا ہے۔ خراب ڈاڑھ کے برابر والا۔''

میں حیران ہوا۔ ''لیکن کیوں؟''

''یہی تو پتا چلانا ہے اور مجھے اپنا دانت واپس لینا ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''دانت نکالا جاتا ہے لیکن اسے دوبارہ لگانے کا ذکر میں نے کبھی نہیں سنا۔''

''مصنوعی تو لگتے ہیں۔''

''اب وہ مصنوعی ہوتے ہیں۔''

''اتنے بھی مصنوعی نہیں ہوتے، میں نے خود بھینس کے دانت گھس کر انسانوں کو لگاتے دیکھا ہے۔''

''یہ تو میں نے بھی دیکھا ہے۔''

''تب انسان کے دانت بھی تو کسی کو لگ سکتے ہیں۔ جیسے لوگوں کے گردے، پھیپھڑے، دل، جگر اور دوسرے اعضائے رئیسہ اور غیر رئیسہ دوسروں کو لگ سکتے ہیں۔''

راجا نے پتے کی بات کی تھی۔ واقعی جب دوسرے اعضا لگ سکتے تھے تو ایک انسان کا دانت کسی دوسرے انسان کو کیوں نہیں لگ سکتا تھا۔ آخر مصنوعی دانت بھی تو لگتے تھے تو اصل دانت لگنے میں کیا قباحت تھی جبکہ میری معلومات کے مطابق دانت میں جان نہیں ہوتی ہے یعنی جسم اسے رد بھی نہیں کرتا ہے۔ میں نے راجا کی طرف دیکھا۔ ''تیرا مطلب ہے کہ اس نے تیرا ایک اضافی دانت نکال لیا کسی دوسرے کے لیے، جو ٹھیک تھا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ظاہر ہے خراب دانت تو کسی کو لگ نہیں سکتا۔ ورنہ میرے منہ میں نہ لگا رہتا۔ اسی لیے اس نے فیس نہیں لی اور اپنی طرف سے آئس کریم بھی کھلائی تھی۔''

''فرض کر اس نے ایسا کیا ہے تب بھی ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ تیرا دانت اگر کسی اور کی بتیسی میں فٹ ہو گیا ہوگا تو اسے واپس کیسے حاصل کریں گے؟''

''اتنی جلدی تو نہیں ہوا ہوگا۔'' راجا نے امید سے کہا۔ ''جلیل کچھ کر۔ مجھے میرا دانت ہر صورت واپس چاہیے۔''

''چھوڑ راجا، جانے والی چیز گئی اور اگر تجھے واپس مل بھی جائے تو کچھ عرصے بعد تجھ میں دال چاول چبانے کی سکت نہیں رہے گی دانت کا کیا کرے گا۔''

اس پر راجا نے مردانہ دانتوں کے کچھ ناقابلِ بیان استعمال پر روشنی ڈالی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بس، ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔''

''تب تو میرے ساتھ چل رہا ہے۔'' راجا خوش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی پتلون کی جیب سے لوہے کی فٹ بھر لمبی راڈ نکالی۔ ''یہ میں اس کے لیے لایا ہوں۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''دیکھ راجا میں تشدد کے خلاف ہوں۔''

''وہ شرافت سے کہاں مانے گا؟'' راجا نے راڈ لہرائی۔ ''دیکھنا میں اس سے کیسا کام لیتا ہوں۔ وہ اپنے باپ کے ڈھانچے سے دانت نکال کر میرے منہ میں فٹ کرے گا۔''

''پہلے مل تو جائے۔'' میں نے کہا اور ہم نے اس گلی کی طرف مارچ شروع کر دی۔ وہاں اس وقت تاریکی تھی اور فٹ پاتھ پر دندان شکن کی کرسی پر ایک فقیر بادشاہ براجمان تھا۔ فقیر کا اسٹائل شاہانہ تھا اور وہ خود کو یقیناً کسی شہنشاہ سے کم نہیں سمجھ رہا تھا کیونکہ اس نے چرس کا سوٹا لگا رکھا تھا۔ چرس ایسی چیز ہے جو بادشاہ اور فقیر کو ایک ہی صف میں لے آتی ہے۔ دونوں انجانی دنیاؤں کی سیر کو نکل جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس وقت کلینک بند تھا بلکہ وہاں سب کچھ ہی بند تھا۔ اس لیے معلومات کا واحد ذریعہ وہی فقیر تھا۔ راجا نے بلا تکلف راڈ سے اس کا گھٹنا بجایا۔ ''اٹھ جا فقیر بادشاہ، سخی داتا کچھ دینے آئے ہیں۔''

وہ بلبلا کر ہوش میں آیا اور بھنّا کر بولا۔ ''سخی داتا تکلیف دینے آئے ہیں؟''

اس بار راجا نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کرسی سے نیچے کھینچ لیا۔ وہ دھڑام سے گرا اور چلّایا۔ ''ہائے مار دیا... ظالم فقیر کے ساتھ دست درازی کرتا ہے... اللہ کرے تیرے ہاتھ پر فالج گرے۔''

''پریکٹس نہیں۔'' میں نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ ''جلدی سے ہوش میں آجاؤ، ہمارے کچھ سوالوں کے جوابات دو اور اس کے بعد سکون سے سوتے رہو۔''

''کیسے سوالات؟'' اس نے اعتراض کیا۔ ''میں کیوں جواب دوں؟''

''راجا کہیں سے پانی لاؤ، فقیر بادشاہ ابھی ہوش میں نہیں آئے ہیں۔''

''پانی کی کیا ضرورت ہے۔'' راجا نے راڈ لہرائی۔

''ضرورت ہے ان کا نشہ ہرن ہو جائے گا۔''

''خدا کے لیے۔'' فقیر بادشاہ نے فریاد کی۔ ''پانی مت ڈالنا، بڑی مشکل سے ایک سگریٹ ملی تھی۔ مارکیٹ میں شارٹ ہے، ایک سگریٹ سو روپے کی مل رہی ہے۔''

راجا نزدیک ہی ایک گھڑے سے پیالہ بھر کر لے آیا اور یوں فقیر بادشاہ کے سر پر کھڑا ہو گیا جیسے اشارہ ملتے ہی اس پر الٹ دے گا۔ منشیات استعمال کرنے والے کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتے ہیں جتنا کہ پانی سے ڈرتے ہیں کیونکہ پانی نشہ اتار دیتا ہے۔ میں نے کلینک کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے بارے میں جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دانت کا ڈاکٹر ہے، پر ہر روز نہیں آتا، کبھی ہفتے میں دو دن آتا ہے کبھی ایک دن آتا ہے۔ کلینک اکثر بند پڑا رہتا ہے۔''

''کہاں سے آتا ہے کہاں جاتا ہے؟''

فقیر بادشاہ کو اس بارے میں علم نہیں تھا مگر جب راجا نے اس پر پانی چھلکایا تو اس نے بلبلا کر انکشاف کیا کہ وہ سیاہ فام نرس کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ نزدیک ہی رہتی تھی۔ فقیر بادشاہ بھی کبھی اس کا پیچھا کیا کرتا تھا ایسے ہی بطور ٹھرک۔ میں نے ملامت سے کہا۔ ''تمہیں شرم آنی چاہیے، ایسی چیز سے تو آدمی دور بھاگتا ہے اور تم اس کا پیچھا کرتے ہو؟''

فقیر بادشاہ نے دانت نکالے۔ ''کیا کرے عورت بھی تو ہے۔''

نرس کے گھر کا پتا سمجھ کر میں نے راجا کے ہمراہ لانگ مارچ کا اگلا حصہ شروع کیا۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ نہاری کے ساتھ چار تندوری روٹیاں کھانے اور اوپر سے ایک جگ پانی پینے سے پیٹ جو ہوا بھری فٹ بال بن گیا تھا اب کسی قدر نرمی پر آمادہ تھا۔ میں نے راجا سے کہا۔ ''بے شک وہ تجھ جیسے چار آدمیوں سے خالی ہاتھ نمٹ سکتی ہے اور دیکھنے میں کسی گینڈے کی طرح وزن دار لگتی ہے مگر اس نے ایک بھی چیخ مار دی تو آس پاس پبلک ہمیں پاپڑ بنا دے گی۔ آج کل پبلک میں تشدد کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا کہ تو نے اس پر دست درازی نہیں کی۔''

''صرف اپنے جیسی پبلک کے خلاف۔'' راجا نے بچ بیانی سے کہا۔ ''تو نے آج تک سنا ہے کہ مزدوروں نے کسی سیٹھ کو پیٹا ہو، یا پبلک نے کسی دولت مند کو گاڑی سے اتار کر کوٹا ہو جس نے کسی بچے پر گاڑی چڑھا دی ہو۔ وہ تو اسلحہ بردار ڈاکوؤں سے بھی دور بھاگتی ہے ہاں اپنے جیسا کوئی کنگلا جعلی پستول پر واردات کرنے والا ہاتھ آجائے تو اس کا ضرور پاپڑ بنا دیتی ہے۔''

میں نے راجا سے اتفاق کیا اور اسے یاد دلایا کہ ہمارا شمار بھی پبلک میں ہوتا ہے اس لیے پاپڑ بننے کے امکانات خاصے روشن ہیں۔ راجا نے اتفاق کیا اور طے پایا کہ پہلے آس پاس سے نرس کے بارے میں معلومات جمع کی جائیں اور ان کی روشنی میں کوئی قدم اٹھایا جائے۔ وہ ایک مارکیٹ بلڈنگ میں اوپر کہیں رہتی تھی اور نیچے ایک دکان میں چلنے والے ہوٹل کے چھوکرے نے نرس کے بارے میں چشم کشا انکشافات کیے۔ اول اس کا شوہر بس نام نہاد شوہر تھا۔ سارا دن نشہ کر کے گھر میں پڑا رہتا تھا اور یہ دن رات کماتی تھی۔ رات کی کمائی ایک نزدیکی کلینک میں ہوتی تھی جہاں رات کی تاریکی میں گناہوں کا بوجھ صاف کیا جاتا تھا۔ میں نے

راجا کے ساتھ جا کر کلینک دیکھا اور طے کیا کہ اسے کلینک ہی بلایا جائے۔ اس کام کے لیے ہوٹل کے اسی بیرے کو آمادہ کیا گیا اور اس نے صرف سو روپے لیے۔ آدھے گھنٹے بعد سیاہ فام نرس اتر کر نیچے آئی اور کلینک کی طرف روانہ ہو گئی۔ کلینک گندے نالے کے ساتھ تھا یعنی ایک آسانی اور تھی۔ راجا جوشِ انتقام سے بھرا ہوا تھا نیز وہ نرس کے زور بازو سے بھی بہ خوبی واقف تھا اس لیے اس نے راست اقدام کیا اور جیسے ہی نرس کلینک کی حد میں داخل ہوئی راجا نے عقب سے اس کا سر لوہے کی راڈ سے بجایا۔ وہ کراہ کر گری اور میں اچھل پڑا۔

”یہ کیا کیا؟“

”دیکھتا رہ۔“ راجا نے پہلے نرس کو خود اندر لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ اسے کھسکا بھی نہیں سکا۔ پھر میں نے اس کی مدد کی۔ کلینک کا تالا راجا نے اپنی فنکاری سے کھول لیا اور ہم نرس کو اندر لے آئے۔ اسے بہ مشکل اس ٹیبل پر ڈالا جس پر وہ خود دوسروں کو ڈالتی رہی ہوگی۔ پھر بیلٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور آخر میں راجا نے اس کی آنکھوں اور منہ پر میڈیکل ٹیپ لگا دیا جو بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے امونیا سونگھائی تو وہ فوراً کراہنے لگی۔ راجا نے آگے آ کر کہا۔ ”تم میری آواز سن رہی ہو سر ہلاؤ۔“

اس نے سر ہلایا۔ راجا نے مطمئن ہو کر کہا۔ ”مجھے ڈاکٹر صف شکن کا پتا چاہیے۔“

نرس نے نفی میں سر ہلایا تو راجا نے نشتر اس کے سر کے زخم پر ٹکایا۔ اچانک تکلیف ہوئی تو وہ اچھل پڑی اور پھر مچلنے لگی۔ اس کے مچلنے سے ٹیبل ہلنے لگی تھی کیونکہ اس کے نیچے پہیے لگے تھے۔ راجا نے ایک چاقو سے اس کے ہاتھ پر کٹ لگایا اور پھر اس پر ٹنکچر ڈالا تو وہ ناک کے بل دہاڑنے لگی۔ مگر اس کی یہ دہاڑیں اس کمرے سے باہر نہیں جا رہی تھیں۔ تیسرا کٹ لگوانے اور اس پر ٹنکچر ڈلوانے کے بعد نرس نے اثبات میں سر ہلایا تو راجا نے اس سے کہا۔ ”میں منہ کھول رہا ہوں لیکن ذرا بلند آواز نکلی تو دوبارہ سر پر لوہے کی راڈ لگے گی۔“

اس دوران میں، میں نے نرس کی تلاشی لے کر اس کا جدید قسم کا اسمارٹ فون نکال لیا اور اس کا کیمرا ویڈیو موڈ پر کر کے اسے ایک طرف رکھ دیا۔ نرس کو پتا نہیں تھا کہ اس کی مووی بن رہی ہے اور آواز ریکارڈ ہو رہی ہے۔ منہ کھلنے پر اس نے آواز دھیمی رکھی تھی مگر اس کے منہ سے جو الفاظ نکلے

تھے راجا کی شان میں وہ سب کے سب ناقابلِ اشاعت کے زمرے میں آتے ہیں۔ جواب میں راجا نے اس کے منہ پر ٹیپ لگا کر پہلے سے موجود زخموں پر تھپڑ جڑ ڈالا اور اسے خبردار کیا۔ ''اب صرف کام کی بات نکلے منہ سے ورنہ پورا جسم تھپڑ سے بھر جائے گا۔''

اس بار اس کی ہمت جواب دے گئی اور جب راجا نے ٹیپ ہٹایا تو وہ رو رہی تھی۔ اس نے روتے روتے ڈاکٹر صف شکن کے دوسرے کلینک کا پتا بتایا جو خاصے پوش علاقے میں تھا۔ اگلا سوال میں نے کیا۔ ''ڈاکٹر اس کلینک میں کیا کرتا ہے؟''

''لوگوں کے دانت نکالتا ہے۔'' وہ بولی۔

''جھوٹ مت بولو۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں، وہ خراب کے ساتھ ٹھیک دانت بھی نکال لیتا ہے۔ اس کلینک میں وہ یہی کام کرتا ہے۔''

''صحیح دانت کا کیا کرتا ہے؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''وہ ہم ڈاکٹر سے پوچھ لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس کے لیے کیا کرتی ہو؟''

وہ آسانی سے بتانے پر آمادہ نہیں تھی مگر جب میں نے اس کا منہ دبایا اور راجا نے تھپڑ زنی کی تو وہ آمادہ ہو گئی۔ کلینک چلتا اسی کی وجہ سے تھا۔ وہ دانتوں کے مریضوں سے رابطہ کرتی تھی اور انہیں یہاں بلواتی تھی۔ اس کا سیل نمبر چلتا تھا۔ جب کئی مریض جمع ہو جاتے تو ڈاکٹر صف شکن آتا اور ایک ساتھ ان لوگوں کے خراب دانتوں کے ساتھ ٹھیک دانت بھی نکال کر لے جاتا تھا۔ ایک بار دانت نکال کر وہ کئی دن یا ہفتے بھر کے لیے غائب ہو جاتا تھا اور بے چارے دانت زنی کا شکار چکر لگا کر چلے جاتے تھے۔ راجا کی بات درست ثابت ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر یہاں صحیح دانت نکال کر دوسروں کے منہ میں فٹ کر رہا تھا اور یقیناً وہ اس کی اچھی خاصی فیس لیتا ہوگا۔ میں نے نرس کے یونیفارم کی جیب سے موبائل نکالا تھا اور ساتھ میں چابیوں کا گچھا تھا مگر کوئی رقم نہیں تھی۔ مگر جب راجا نے جامہ تلاشی لی تو اس کے خفیہ والٹ سے رقم بھی برآمد ہو گئی۔ یہ نوٹوں کا لپٹا ہوا رول تھا جس میں خاصی رقم تھی۔ راجا نے اسے اپنی جیب میں رکھا۔ اس کے منہ پر وہ پہلے ٹیپ لگا چکا تھا۔ وہ مچل رہی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

ہم باہر آئے اور میں نے راجا سے کہا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''ڈاکٹر کے کلینک چلتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''وہ اس وقت کلینک پر نہیں ہوگا۔''

''تب اسے وہیں بلا لیتے ہیں۔'' راجا نے کہا۔ ''میں نرس کی پھٹے بانس جیسی آواز کی نقل اتار سکتا ہوں۔''

''ہاں کیونکہ تیری اپنی آواز بھی کچھ ایسی ہی ہے۔'' میں نے تائید کی تو راجا نے گھورا اور نرس کے موبائل کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس شرط پر دیا کہ وہ واپس کر دے گا۔ راجا نے سر ہلایا اور موبائل میں موجود ڈاکٹر صف شکن کا نمبر نکال کر نرس کی ایسی آواز نکالی کہ میں دنگ رہ گیا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ راجا اداکاری کر سکتا تھا۔ وہ بجا طور پر پہلے فلم اور اب ٹی وی انڈسٹری میں جانے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ اس نے یہاں صداکاری کے ساتھ اداکاری کے جوہر بھی دکھائے اور ڈاکٹر کو آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے کلینک آئے کیونکہ وہ اسے ایک نہایت اہم اطلاع دینے آرہی تھی۔ فون بند کر کے راجا نے مسرت سے کہا۔

''وہ آرہا ہے، کاش کہ تیرے پاس بائیک ہوتی۔''

بائیک تیز رفتاری کی نذر ہو گئی تھی اور میں ایک بار پھر وہی پیدل چلتا تھا۔ بہرحال ایک رکشے نے ہمیں تقریباً بلٹ کی رفتار سے ڈاکٹر صف شکن کے کلینک پہنچا دیا اور رات کے وقت تنگ کرنے کا ہرجانہ لے کر پھٹے سائلنسر سے ایک سو ایک توپوں کی سلامی دیتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر کانوں میں اس کا شور گونجتا رہا۔ ڈاکٹر کا کلینک ایک عالی شان اپارٹمنٹ کے گراؤنڈ اور فرنٹ والے فلیٹ میں تھا اور اس میں آمدورفت کا راستہ بھی الگ تھا۔ بند گیٹ سے ظاہر تھا کہ ڈاکٹر ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ میں نے راجا سے پوچھا۔

''اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے وہی نرس والا؟''

''بالکل۔'' راجا نے پُرعزم انداز میں راڈ لہرائی۔ ''آج یہ دوسرا سر پھاڑے گی۔''

''بیٹے تیرا دانت واپس اسی نے لگانا ہے ایسا نہ ہو کہ خود اس کے ساتھ کیس ہو جائے، تیری ضرب کلیم اسے مجذوب کر دے۔''

راجا فکرمند ہو گیا۔ ''تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''یہ راڈ میرے حوالے کر دے۔'' میں نے کہا تو راجا نے راڈ مجھے تھما دی۔ اب میں نے اسے بتایا کہ اسے کیا کرنا تھا۔ اسے سمجھا کر میں خود پاس کی ایک پھولدار بیل کے

پیچھے روپوش ہو گیا۔ وہاں خوشبو تھی مگر ساتھ ہی مچھر اور دیگر حشرات الارض بھی بہت تھے۔ وہ سب کاٹنے کے ساتھ کلاسیکی راگ بھی الاپ رہے تھے۔ یہ خاصے صبر آزما مراحل تھے اور میں دبکے رہنے پر مجبور تھا۔ راجا مزے سے فٹ پاتھ پر ہوا خوری کر رہا تھا۔ ڈاکٹر بہت دیر سے آیا۔ اس وقت تک مچھر اور دوسرے خون آشام کیڑے میرا کوئی ایک لیٹر خون پی چکے تھے۔ میں مسلسل حالتِ جنگ میں تھا۔ راجا مایوس ہو کر وہیں فٹ پاتھ پر لیٹ گیا تھا۔ اس لیے ہمیں ڈاکٹر کی آمد کا ذرا دیر سے پتا چلا۔ اس کی بے آواز کار رکی اور اس سے اتر کر ڈاکٹر کلینک کی طرف بڑھا۔ راجا اٹھ کر اس کے پیچھے لپکا۔ "ڈاکٹر..."

"معاف کرو بابا۔" اس نے رکھائی سے کہا۔ "آدھی رات کو بخش دیا کرو۔"

اگر راجا کے پاس راڈ ہوتی تو وہ یقیناً ڈاکٹر کے مجذوب ہونے کی پروا کیے بغیر اس کے سر پر آزماتا۔ اس سے پہلے وہ غصے میں آ کر کام خراب کرتا، میں ان کے عقب میں پہنچ گیا اور راڈ کی نوک ڈاکٹر کے گردے پر لگا کر کہا۔ "آدھی رات کو آنے والے ہی تو نہیں بخشتے ہیں۔ خبردار ہلنا مت ورنہ گولی آر پار ہو جائے گی۔"

راجا نے پھرتی سے اس سے چابیاں چھین لیں۔ اس نے کلینک کا تالا کھولا اور ہم اندر آ گئے۔ یہ خاصا بڑا اور شاندار کلینک تھا جس میں دندان سازی اور علاج کے تمام جدید اوزار اور مشینیں دستیاب تھیں۔ ڈاکٹر ساکت تھا اور اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی کہ مجھے گولی چلانی پڑتی۔ راجا نے باہر والا دروازہ لاک کر دیا اور کھڑکیوں پر ونڈو بلائنڈ گرا دیے تھے۔ اب باہر سے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ اے سی آن کر دیا اور تب میں نے راڈ نکال کر ڈاکٹر کو دکھائی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ البتہ راجا کو اس نے کچھ دیر بعد شناخت کر لیا۔ "تم... تم وہی ہو نا جس کا..."

"تم نے ایک دانت اضافی نکال لیا تھا۔" راجا نے اسے پھرتی سے تھپڑ مارا۔ ڈاکٹر صورت سے معزز لگ رہا تھا اور غالباً خود کو معزز سمجھتا بھی تھا اس لیے تھپڑ پر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے خون کے گھونٹ پی کر پوچھا۔

"کیا چاہتے ہو تم... صوفی کہاں ہے؟"

"کون صوفی؟"

"جس نے مجھے کال کر کے بلایا تھا۔"

"وہ صوفی تو ایک دوسرے کلینک میں پڑی ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں اس صوفی نے بلایا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب جلدی آ جائیں۔" راجا نے صوفی کی نقل اتاری تو ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کیا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر کو دھکیل کر ایک کرسی پر بٹھا دیا تھا پھر راجا نے اسے ٹیپ کی مدد سے کرسی سے باندھا اور یہی ٹیپ اس کی آنکھوں پر لگا دیا۔ میں نے نرس کے موبائل کا کیمرا آن کر کے ایک طرف رکھ دیا اور ڈاکٹر سے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔ ایک طرف تم نے اس غریب سی جگہ کلینک کھولا ہے اور صرف پچاس روپے میں لوگوں کے دانت نکال رہے ہو۔"

"بلکہ وہ پچاس روپے بھی نہیں لیتے۔" راجا نے لقمہ دیا۔ "الٹا اس پر بھی اپنی جیب سے کھلاتے ہو۔"

"کیونکہ اس کے بدلے تم مریض کے خراب دانت کے ساتھ ساتھ اس کا ایک بالکل ٹھیک دانت بھی نکال لیتے ہو۔" میں نے کہا۔ "دوسری طرف یہ تمہارا عالی شان کلینک ہے یہاں تمہاری فیس ہی یقیناً ہزاروں میں ہوگی اور دانتوں کو ہاتھ لگانے کے عوض بھی تم اچھی خاصی رقم وصول کر لیتے ہوگے۔"

"مجھے تسلیم ہے کہ ایک دانت مجھ سے غلطی سے نکل گیا۔ یقین کرو یہ صرف غلطی تھی۔" اس نے گھگیا کر کہا۔ "میں تلافی کے لیے تیار ہوں۔"

"وہ بھی کرو گے لیکن پہلے میرے سوالوں کا جواب دو۔ تم نکالے گئے صحیح دانتوں کا کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے جھوٹ بولنا چاہا۔ "میں نے بتایا نا کہ اس کا دانت غلطی سے نکل گیا تھا۔"

"یہ اس طرح نہیں مانے گا۔" میں نے راجا کی طرف دیکھا۔

"لگتا ہے اس کے ساتھ بھی صوفی والا ٹریٹمنٹ کرنا پڑے گا۔"

کلینک میں چھری کی موجودگی لازمی تھی۔ ایک چھوٹا سا چاقو بھی مل گیا۔ راجا نے پہلا کٹ لگا کر اس پر ٹنکچر چھڑکا تو ڈاکٹر نے ناک سے ایسی چیخ ماری تھی کہ ہم اچھل پڑے۔ راجا نے کہا۔ "اس کی ناک بھی بند کرنا پڑے گی۔"

"احمق پھر یہ سانس کیسے لے گا۔"

ڈاکٹر صف شکن نام کے برعکس خاصے چھوٹے دل کا تھا۔ دوسرے کٹ پر اس نے ناک سے دہاڑیں مار کر رونا

شروع کر دیا۔ اب وہ زور و شور سے سر ہلا رہا تھا۔ میں نے راجا کو روکا۔ ''ایک منٹ شاید یہ مان گیا ہے۔''

''اتنی جلدی مان گیا۔'' راجا نے مایوسی سے کہا۔ ''یہ تو اس عورت سے بھی گیا گزرا ہے۔''

میں نے اس کے منہ سے ٹیپ اتارا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''بتاتا ہوں... خدا کے لیے... اب مزید کچھ مت کرنا۔''

ڈاکٹر صف شکن نے کسی قدر تذبذب کے بعد تسلیم کر لیا کہ وہ جان بوجھ کر مریضوں کے اضافی دانت نکالتا تھا۔ یہ دانت وہ اس کلینک میں آنے والے مریضوں کو لگاتا تھا۔ دانت ایک جدید تکنیک سے لگائے جاتے تھے۔ جس میں یہ بغیر جڑ کے ہمیشہ کے لیے بتیسی میں فٹ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ دانت اصل ہوتے تھے اس لیے ڈاکٹر ان کی بہت بھاری قیمت وصول کرتا تھا۔ آپریشن اور دوسرے اخراجات الگ ہوتے تھے۔ میں اور راجا سن کر دنگ رہ گئے کہ وہ ایک دانت کے ایک سے ڈیڑھ لاکھ روپے تک وصول کرتا تھا۔ جن لوگوں کے پاس بے شمار دولت تھی ان کے لیے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کچھ نہیں تھے۔ ڈاکٹر غریبوں کے کلینک سے لوگوں کے دانت نکال کر یہاں امراء کے کلینک میں لگاتا تھا اور یقیناً دونوں ہاتھوں سے کما رہا تھا۔ راجا یہ سن کر جذباتی ہو گیا تھا اس نے چیخ کر پوچھا۔

''او خبیث آدمی تو نے میرا دانت کتنے میں بیچا ہے۔''

''ابھی تو نہیں بیچا، وہ رکھا ہوا ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ڈاکٹر اب تمہاری جان بخشی کی ایک ہی صورت ہے۔ میرے دوست کا دانت واپس لگاؤ اور اس کا جو خراب دانت نکالا تھا اس کی جگہ بھی دوسرا دانت لگاؤ تو ہم خاموشی سے واپس چلے جائیں۔''

''ورنہ تیرے ساتھ تیرے کلینک کا بھی ملبا کر جائیں گے۔'' راجا نے اسے دھمکی دی۔ ڈاکٹر ڈر گیا مگر وہ دوسرا دانت لگانے کو تیار نہیں تھا۔

''وہ میں کہاں سے لاؤں؟''

''کہیں سے بھی۔'' میں نے کہا۔

''یہ آسان کام نہیں ہے، پہلے دانت چیک کرنا پڑتا ہے پھر جبڑے کا ایکسرے ہوتا ہے تب کہیں جا کر آپریٹ کر کے میں دانت فکس کرتا ہوں۔ یہاں ایکسرے کیسے کروں؟''

''مشین تو ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور تمہیں ایک آدمی کی مدد کی ضرورت ہوگی تو میں ہوں نا۔ بس تم اپنا کام کرو۔''

ڈاکٹر بادل ناخواستہ راضی ہوا۔ میں نے اسے کھولا اور وارننگ دی کہ اس کی کسی غلط حرکت یا چلانے پر میں لوہے کی راڈ استعمال کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لوں گا۔ نمونے کے طور پر میں نے اس کی میز پر رکھی پلاسٹر آف پیرس کی بنی کھوپڑی توڑ دی جو بتیسی دکھا رہی تھی۔ ''اس سے زیادہ آسانی سے تمہاری کھوپڑی ٹوٹ جائے گی اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو امکان ہے کہ مجذوب ہو جاؤ گے۔''

وفات سے زیادہ مجذوب ہونے کے امکان نے اسے سہما دیا اور اس نے یقین دلایا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے سب سے پہلے راجا کے جبڑے کا کئی زاویوں سے ایکسرے لیا۔ جب اس نے اس کا رزلٹ نکالا تو میں نے دیکھ کر راجا سے کہا۔ ''اس میں بھی تو اتنا ہی منحوس نظر آ رہا ہے جتنا کہ نارمل میں دکھائی دیتا ہے۔''

راجا نے برا منایا اور بولا۔ ''تیرا شادی کا فوٹو اس سے زیادہ منحوس آئے گا۔''

''اللہ تیری زبان مبارک کرے۔'' میں نے دانت نکالے۔ ''منحوس ہی سہی فوٹو تو آئے۔''

ڈاکٹر صف شکن نے صف بندی کی یعنی آپریشن کی تیاری شروع کی اور اپنا خزانہ نکال لایا۔ یہ بہت نفیس سے المونیم کی ٹرے میں سجے ہوئے موتیوں جیسے دانت تھے ان میں راجا کا ذاتی دانت بھی شامل تھا۔ نہ جانے اس پر سے پان گٹکے کے داغ صاف کر دیے تھے۔ راجا کو بھی شک ہوا کہ یہ اسی کا دانت ہے۔ مگر ڈاکٹر نے تصدیق کی کہ یہ اسی کا دانت ہے پھر اس نے چیک کرتا ہوا دوسرا دانت نکالا اور حسرت سے بولا۔ ''یہ کم سے کم ڈیڑھ لاکھ کا ہے، آپریشن سمیت اس کی فکسنگ دو لاکھ تک میں ہوتی ہے۔''

میں نے راجا کو مبارک باد دی۔ ''زندگی میں پہلی بار تیرا خرچ لاکھ سے اوپر گیا ہے۔''

ڈاکٹر نے مجھے سمجھایا کہ مجھے کیا کیا کرنا تھا۔ میں اس کی معاونت کرنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے راجا کو ایک انجکشن لگا کر تقریباً بے ہوش کر دیا پھر اس کا سر ایک شکنجے میں جکڑ دیا اور دوسرے شکنجے نے راجا کا منہ کھول دیا۔ اب ڈاکٹر آرام سے اپنا کام کر سکتا تھا۔ میں اس کی ہدایت کے مطابق اسے اوزار اور دوسری چیزیں اٹھا کر دیتا رہا۔ اس نے خاصی چیر پھاڑ کی اور راجا کا خون جو دیکھنے میں سرخ ہی تھا خاصا بہا تھا مگر ڈاکٹر نے مجھے تسلی دی تھی کہ یہ معمول کی بات ہے۔ کچھ چیزوں کی مدد سے اس نے دونوں دانت فکس

کیے اور آخر میں دانتوں پر ایک ایسی کیپ چڑھا دی جیسی کہ باکسر مقابلے کے دوران دانت بچانے کے لیے پہنتے ہیں۔ پھر اس نے راجا کو یکے بعد دیگرے کئی انجکشن دیے اور مجھ سے کہا۔ ”یہ ایک گھنٹے میں ہوش میں آجائے گا۔“

”ٹھیک ہے تب تک ہم ذرا گفتگو کرتے ہیں، ڈاکٹر میرے پاس تمہیں دکھانے کے لیے کچھ ہے۔“

میں اور ڈاکٹر آفس میں آگئے تھے۔ راجا کو ذرا تاخیر سے یعنی سوا گھنٹے بعد ہوش آیا تھا اور اس کے حواس بحال ہونے میں مزید پندرہ منٹ لگے تھے۔ جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ہم وہاں سے نکل آئے۔ ڈاکٹر نے راجا کو تین دن تک نرم غذا کھانے اور گٹکے سے پرہیز کا کہا تھا۔ وہ خاصا رنجیدہ تھا۔ راجا نے باہر آکر بند منہ کے ساتھ ایک گھٹا ہوا قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”کیسا کیا سالے کے ساتھ، بچو جیسا منہ نکل آیا تھا۔“

کیونکہ اس وقت رکشا ٹیکسی ملنے کا امکان نہیں تھا اس لیے ہم نے پیدل مارچ شروع کیا۔ راجا بہت مسرور تھا۔ لیکن جب میں نے نرس کے پاس سے ملنے والے کیش کی بات کی تو اس کا موڈ خراب ہوگیا۔ ”اس کی بات کیوں کررہا ہے، ابھی مجھے دوائیاں لگی ہیں اور نرم غذا کھانی ہے۔“

”راجا چالاکی مت کر وہ خاصی رقم تھی، میں نے خود سبز اور سرمئی نوٹوں کی جھلک دیکھی تھی۔ اس میں سے کچھ نکال۔“

”یہ مجھے ذاتی کوشش سے ملی ہے۔“ راجا نے ڈھٹائی سے کہا۔ ”تو نے بھی تو اس کا موبائل نکالا تھا وہ بھی مہنگا والا ہے۔“

”موبائل میں واپس کر آیا ہوں ڈاکٹر اسے دے دے گا۔ تو جانتا ہے میں نے چوری چھوڑ دی ہے۔“

”یہ بھی تو چوری کا مال ہے۔“ راجا نے عیاری سے کہا۔ ”تجھ پر حرام ہے۔“

”حرام تجھ پر ہے لیکن تو اگر مجھے دے دے گا تو یہ میرے لیے حلال ہوگا۔“

مگر راجا ہمیشہ کی طرح کمینہ ثابت ہوا تھا۔ رقم آتے ہی اس کی آنکھیں بدل جاتی تھیں۔ ”میں اس میں سے ایک روپیہ نہیں دوں گا اور تو نے کیا واقعی موبائل اسے دے دیا ہے۔“

”تیرے خالی سر کی قسم۔“

”جلیل تو نے کوئی چکر تو نہیں چلایا ہے نا۔“ راجا مشکوک ہوگیا تھا۔

”اگر چلایا بھی ہے تو تجھے کیا، تو نے ابھی خود طے کر دیا ہے کہ ذاتی طور پر حاصل کیے ہوئے مال میں دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔“

اس کے بعد راجا کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مجھ سے مزید پوچھتا، اسے خطرہ تھا کہ میں اپنا حصہ لینے پر نہ تل جاؤں۔ اس لیے وہ جلدی سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”بیٹا خوش رہ اپنے خرچے پر جب تک رہ سکتا ہے۔“

اگر راجا کو پتا چل جاتا کہ اس وقت میری جیب میں پچاس ہزار روپے ہیں تو وہ مجھ سے جونک کی طرح چمٹ جاتا۔ میں نے ڈاکٹر صف شکن کے سامنے صوفی کے موبائل میں ریکارڈ دونوں ویڈیوز رکھیں اور اس سے کہا۔ ”تمہارے سامنے دو راستے ہیں، ایک تو میں اس ویڈیو کو انٹرنیٹ پر شیئر کردوں اور ٹی وی چینل کو بھیج دوں۔“

”خدا کے لیے ایسا مت کرنا، میں برباد ہوجاؤں گا۔“ اس نے کانپ کر کہا۔

”دوسری صورت یہ ہے کہ تم مجھ سے یہ موبائل خرید لو۔“ ڈاکٹر کے پاس دوسری بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم نزدیکی اے ٹی ایم گئے جہاں ڈاکٹر نے مجھے پچاس ہزار نکال کر دیے اور موبائل لے لیا۔ میں خوش تھا کہ شنو کا نوٹ خرچ ہونے سے بچ گیا تھا مگر میں اسے واپس نہیں کرسکتا تھا ورنہ وہ عیار حسینہ بھانپ جاتی کہ میرے پاس بڑا مال آیا ہے تبھی اسے پانچ سو واپس کررہا ہوں اور میں ان پچاس ہزار کی شنو کو بھنک بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

اگلے دن میں سو رہا تھا کیونکہ ابھی میری صبح نہیں ہوئی تھی، یہ اور بات ہے کہ اماں ہر دس منٹ بعد وقت کا اعلان صلواتوں کے ساتھ کرتی تھیں تب موبائل نے بیل دی۔ یہ راجا کی کال تھی اور وہ دہاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا ہوا، خدانخواستہ تو یتیم تو نہیں ہوگیا۔“

”اللہ تیری زبان مبارک کرے۔“ راجا نے زاروقطار روتے ہوئے کہا۔

”پھر کیا ہوا، کیوں صبح صبح رو کر نحوست پھیلا رہا ہے۔“

”کل رات گھر جاتے ہوئے جانی چریا سے سامنا ہوگیا تھا۔“ راجا نے کہا اور پھر دہاڑیں مارنے لگا۔ اس سے آگے کی بات سمجھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ جانی چریا نے بلاتکلف ہاتھ چلایا ہوگا اور راجا ایک بار پھر اپنے دونوں دانتوں سے محروم ہوگیا ہوگا اور اس بار یہ محرومی ہمیشہ کی تھی۔